ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

”سواسیر گیہوں“تنقیدی جائزہ: معاشی نظریات کے تناظر میں

"SAWA SER GEHUN": A CRITICAL REVIEW IN THE PERSPECTIVE OF ECONOMIC THEORIES

صفیہ حاجی احمد

پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، شعبہ اردو لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر عائشہ مقصود

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Safia Haji Ahmad

PhD Urdu Scholar Lahore Leads University, Lahore

Dr. Ayesha Maqsood

Assistant Professor, Department of Urdu, University of Leeds, Lahore

Abstract:
This article presents a critical analysis of Prem Chand's short story "Sawa Ser Gehun" in the light of economic theories. The story shows how, in every era and society, powerful people and unjust systems exploit workers and the lower class. It highlights how feudalism and the interest-based system deeply affect the lives of poor people. Once low-income individuals are forced to take loans with interest, they often become trapped in a cycle of debt. This burden is not only suffered by them but sometimes by future generations as well. As a result, the economic rights of the lower class are exploited, and they fall far behind in life. The article argues that to create a fair and peaceful society with just distribution of wealth, it is necessary to end feudal and exploitative interest-based systems so that low-income people can live secure and prosperous lives.

Key Words: *Economic theories, exploit, feudalism, prosperous.*

کلیدی الفاظ: معاشی نظریات، استحصال، جاگیرداری، خوشحال۔

منشی پریم چند کا افسانہ ”سواسیر گیہوں“ اُردو ادب کا معنی خیز افسانہ ہے جس میں کسانوں کی بے بسی، معاشی ناانصافی اور استحصال کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ افسانے میں مذہب کے نام پر معصوم لوگوں کو استعمال کرنے کا پہلو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں مظلوم طبقہ جو کہ معاشی دباؤ اور افلاس کی وجہ سے پستہ رہتا ہے، ان کے مسائل دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہ افسانہ ایک طاقتور سماجی اور معاشی تنقید ہے۔ اس افسانے میں پریم چندنے ”سواسیر گیہوں“ کی مثال سے دکھایا ہے کہ کس طرح سے ہر دور میں مزدور طبقے کا معاشی استحصال کیا جاتا ہے۔

تحریر کردہ مضمون کا موضوع ”سواسیر گیہوں“تنقیدی جائزہ: معاشی نظریات کے تناظر میں“ ہے۔ اس مضمون میں پریم چند کے افسانہ ”سواسیر گیہوں“ کی مثال دے کر بنایا گیا ہے کہ کس طرح سے ہر دور میں ہر معاشرے میں جابر لوگ اور جابر نظام مزدور اور چھوٹے طبقے کا خون چوستے ہیں۔ سودی نظام اور جاگیردارانہ نظام کم آمدن والے لوگوں کی زندگی کو بہت متاثر کرتا ہے۔ کم آمدن والے لوگ ایک بار مجبور ہو کر سودخوری کے چنگل میں پھنس جائیں تو اس کا خمیازہ نہ صرف سود پر قرض لینے والوں کو بھگتنا پوتا ہے بل کہ اکثر ان کی پوری نسل کو بھگتنا ہوتا ہے جس سے چھوٹے طبقے کے معاشی حقوق کا استحصال ہوتا ہے اور وہ زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اچھے اور منصفانہ دولت کی تقسیم والے معاشرے کے لیے سودی اور جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ کرنا ہوگا تو ہی کم آمدن والے لوگ بھی پُرامن اور خوشحال زندگی گزار سکیں گے۔

افسانہ "سواسیر گیہوں" ایک غریب کسان شنکر کی کہانی بیان کر رہا ہے جو کہ سیدھا سادہ کسان ہے۔ اپنی مزدوری کرنے کے ساتھ ساتھ وہ سادھو مہاتماؤں کی خدمت کا جذبہ بھی رکھتا ہے۔ اسی جذبے کے تحت وہ قرض کے چنگل میں ایسا پھنستا ہے کہ ساری زندگی نہیں نکل پاتا۔ ایک دن ایک سادھو شنکر کے دروازے پر آتا ہے گھر میں کچھ بھی نہ ہونے کی وجہ سے سادھو کی خدمت میں کچھ پیش کرنے کے لیے وہ مہاجن سے "سواسیر گیہوں" ادھار لیتا ہے۔ سادھو تو کھانا کھا کر چلتا بنتا ہے مگر شنکر سواسیر گیہوں کا قرض سود سمیت ساری زندگی نہیں ادا کر پاتا۔ مہاجن کا جبر اور سود میں مسلسل اضافہ شنکر کی زندگی کو اجیرن بنا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شنکر اپنے بچوں سمیت مہاجن کا غلام بن جاتا ہے اور ساری زندگی اس کے کھیتوں میں مزدوری پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ افسانہ سماجی ناانصافی، مہاجنی نظام کے ظلم اور غریب کسانوں کی توہم پرستی کے نظام پر کڑی تنقید پیش کرتا ہے۔ شنکر کا سواسیر گیہوں کے بدلے مہاجن کے مکر و فریب، سود در سود کے چکر میں پھنسنا اور سماجی استحصال کا شکار بننا تمام کسانوں کی غربت اور بے بسی کا المیہ پیش کرتا ہے۔ افسانے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> "سیدھے سادھے شنکر نے اپنی طرف سے قرض ادا کر دیا تھا لیکن بے ایمان پنڈت کے دل میں فریب تھا۔ اس لیے انھوں نے بھی سواسیر گیہوں کا نام نہیں لیا اور سات سال تک وہ خاموش رہے وہ تو سواسیر گیہوں کی جگہ شنکر کو جال میں پھانسنا چاہتے تھے۔" (1)

معاشرے کی دوسری اہم قدروں کی طرح معاشی پالیسیاں بھی انسانوں کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ اُردو ادب میں جہاں عشق و محبت اور عام زندگی کے مسائل کو جگہ دی گئی ہے وہیں معاشی مسائل بھی زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ اُردو ادب کی بات کی جائے تو کافی تحریروں میں معاشی مسائل اور جاگیر دارانہ نظام کی عکاسی پیش کی گئی ہے مگر اس مضمون میں پریم چند کے افسانہ "سواسیر گیہوں" کا معاشی تناظر پیش کیا جائے گا۔ اس افسانے میں پریم چند نے بہت خوب صورت انداز میں مزدوروں کے حقوق کا استحصال ہوتا ہوا پیش کیا ہے۔ جیسے جاگیر دارانہ نظام چھوٹے طبقہ کے لوگوں اور مزدوروں کی زندگیوں کو برباد کرتا ہے ایسے ہی سودی نظام بھی مزدوروں اور چھوٹے طبقہ کے لوگوں کا خون چوستا ہے۔

اس افسانے میں ہندوستان کے جاگیر دارانہ اور سودی نظام کے متوازی پیش کیا گیا ہے کہ کس طرح ان دونوں نظاموں کے چنگل نے نہ صرف شنکر کو غلام بنا دیا اور فاقے کاٹنے پر مجبور کر دیا بل کہ اس کی اگلی نسل بھی سود کے عوض غلام ہے اور وہ بھی سود کا بیاج ادا کرے گی۔ سودی نظام کے معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سود کا فائدہ صرف تاجر یا اعلیٰ طبقے کو ہی ہوتا ہے۔ مزدور اور کم آمدن والے لوگ تو پس کر رہ جاتے ہیں۔ امیر امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اور غریب غریب تر، ایک طبقہ فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسرے طبقے تمام تر اقتصادی نقصانات برداشت کرتے ہیں۔ مہنگائی، بیروزگاری اور شرح غربت میں اضافہ بھی سودی نظام ہی کی بدولت ہے۔ ان تمام مسائل کی عکاسی پریم چند کے افسانے "سواسیر گیہوں" میں بھی ملتی ہے۔ اس افسانے میں صرف ایک مزدور کی زندگی جاگیر دارانہ اور سودی نظام کے تحت تباہ و برباد ہوتی نہیں دکھائی گئی بل کہ ایک مزدور کی مثال پیش کر کے یہ دکھایا گیا ہے کہ معاشرے میں کس طرح سے مزدور طبقہ اور چھوٹا طبقہ ایسے مسائل کا سامنا کرتا ہے۔

منشی پریم چند اُردو کا مشہور ناول نگار اور افسانہ نگار ہے۔ انھوں نے پیار و محبت اور عشق و حسن وغیرہ جیسے موضوعات کی بجائے حقیقت پسندی کی طرف اپنے قلم کا رُخ رکھا۔ اعلیٰ ترین افسانہ بھی وہی ہوتا ہے جس کی بنیاد نفسیاتی حقیقت پر رکھی جائے۔ ان کی تحریروں میں بیسویں صدی کے ابتدائی تیس پینتیس سالوں کی معاشرتی اور سیاسی زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں ملتی ہیں۔

اُردو ادب کا افسانوی حصہ جتنا پریم چند سے متاثر ہوا شاید ہی کسی دوسرے مصنف سے اتنا متاثر ہوا ہو۔ پریم چند کے بیشتر کردار غریب طبقہ سے متعلق ہیں جو کہ غربت کی وجہ سے محرومیوں اور ناکامیوں کا بھی شکار ہیں۔ پریم گوپال متل رقم طراز ہیں:

> "بلا شبہ پریم چند کے ناول اور افسانوں میں جو چیز قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے وہ ان کا دیہی ماحول اور مفلوک الحال کسان طبقہ ہے۔" (2)

جس دور میں پریم چند نے اپنی تحریروں کے لیے قلم اٹھایا تھا تب کسانوں اور مزدوروں کا بہت برا حال تھا۔ اسی لیے ان کے اکثر و بیشتر افسانوں میں عام انسانوں کے مسائل سے لے کر کسان اور مزدور تک کے مسائل کو بھی پیش کیا۔ اسی کی ایک مثال افسانہ "سواسیر گیہوں" ہے۔ یہ افسانہ دیہاتی کسان

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اور کاشتکار کے رہن سہن کی عکاسی کے ساتھ ساتھ زمیندار مہاجن اور ساہو کار کی فریب کاری کا پردہ چاک کرتا ہے۔اس افسانے میں بہت اچھے انداز سے سود خور مہاجن کا پردہ چاک کیا گیا ہے کہ کس طرح بے رحمانہ اور ظالمانہ انداز سے مہاجن نے غریب کسان کو استحصال کا نشانہ بنایا۔مزید یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح سے کمزور اور غریب کسانوں کو مذہب اور نیکی کے نام پر بھی بے وقوف بنایا گیا ہے۔

ہندوستان کے معاشرے میں مہاجن کا کردار انسانی روپ میں شیطان کا کردار ہے۔اس افسانے میں بھی شنکر نامی کسان مہاجن جیسے شیطانی کردار کا شکار بنتا ہے۔شنکر ایک سادہ لوح کسان ہے جو پنڈت یا مہاجن کے ہتھے چڑھتا ہے۔وہ مہاجن کے ہتھے اس لیے چڑھتا ہے کہ ایک دن سادھو مہمان بن کر شنکر کے گھر تشریف لاتا ہے۔شنکر مہمان نوازی کے لیے گاؤں کے پروہت سے سوا سیر گیہوں ادھار لے لیتا ہے۔

اس نیک عمل کا صلہ شنکر کو زندگی بھر غلامی کی شکل میں ملتا ہے۔پروہت نے شنکر کے کھاتے میں اتنا سود جمع کر دیا کہ وہ سوا سیر گیہوں کا اصل نہ لوٹا سکا۔اس نے پروہت کو جو کچھ ادا کیا وہ بقول پروہت کے سوا سیر گیہوں کا بیاج تھا۔اصل زر ابھی بھی قائم تھا بل کہ بیاج بڑھتا چلا جا رہا تھا۔پروہت نے حساب کتاب کر کے ساڑھے پانچ من گیہوں شکر کے حصے میں ڈال دیے۔ساڑھے پانچ من کا سن کر شنکر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔شنکر نے محنت مزدوری کر کے بہت کوشش کی کہ وہ پروہت کو مکمل ادائیگی کر دے مگر وہ جو بھی محنت سے کما کر ادا کرتا وہ اصل زر نہیں بل کہ اس زر کے سود در سود کی ادائیگی کے زمرے میں آتا۔

آخر کار اس مسئلے کا حل یہ نکالا گیا کہ پروہت کے ہاں شنکر مزدوری کرے گا تو نام مزدوری کا استعمال کیا گیا تھا اصل میں یہ غلامی تھی جو بیس سال خود شنکر نے بھگتی۔شنکر کے دنیا سے گزر جانے کے بعد بھی قرض باقی تھا۔اس قرض کے بدلے شنکر کے بیٹے کو پروہت کا غلام بننا پڑا۔باپ کے ناکردہ گناہ کی سزا شنکر کے بیٹے پر لاگو ہو گئی۔اس وقت کے معاشرے کی بات کی جائے تو اجتماعی شعور اور اخلاقی اقدار نام کی لوگوں میں کوئی چیز نہیں تھی۔وہ انسانی ہمدردی اور انسانیت کا تقدس کرنے والی صفات سے فارغ ہیں۔

جس وقت پریم چند نے یہ افسانہ تحریر کیا، سرمایہ داری کا رواج تھا۔سرمایہ دارانہ نظام کا نتیجہ معاشرے میں غیر مساویانہ دولت کی تقسیم تھی۔اس کہانی میں بہت خوب صورت انداز میں جاگیر دار طبقے کا ظلم بھی دکھایا گیا ہے۔پروہت نے نہ صرف شنکر کو سود کے چنگل میں پھنسایا بل کہ وہ ایک ظالم جاگیر دار بھی تھا۔اسی لیے تو اس نے گیہوں دیتے وقت سود کی کوئی بات نہ کی بل کہ چند برس گزر جانے کے بعد بتایا کہ شنکر پر کتنا سود جمع ہو چکا ہے۔شنکر ایک غریب اور سادہ لوح کسان تھا اس لیے وہ پروہت کے سامنے سر نہ اٹھا سکا اور نہ ہی اس وقت کے لوگوں میں سے کسی میں ہمت تھی کہ وہ ہمدردی کے جذبے کے تحت شنکر کا ساتھ دیتے اور پروہت سے دشمنی مول لیتے۔کیوں کہ ایک تو کسی کو بھی پروہت سے کام پڑ سکتا تھا۔دوسرا اس کی طاقت اور سماجی رتبے کی وجہ سے کوئی سر اٹھانے کی جرأت نہ رکھتا تھا۔

یہ صرف ایک شنکر نامی کسان کی کہانی نہیں بل کہ بہت سے غریب کسانوں کی کہانی ہے جو بڑے جاگیر داروں اور سود خوروں کے ہاتھوں تنگ ہیں۔غریب کسان بڑے سود خوروں اور جاگیر داروں کے سامنے بے بس ہوتے ہیں۔سوا سیر گیہوں میں شنکر کا ایک جگہ پر گڑگڑانے کا انداز کچھ یوں ہے:

> ”شنکر نے پنڈت جی کے پیر پکڑ لیے۔کانپتے ہوئے بولا: میں بات سے نہیں مکر رہا مہاراج بس تھوڑا
> وقت مجھے اور دے دو۔اب میں رات میں بھی مزدوری کروں گا۔اپنا پیٹ نہیں بھروں گا بس آپ کا
> گودام بھروں گا۔“(3)

شنکر بیچارہ تو جانتا بھی نہ تھا کہ یہ سود اس کے ذمے کہاں سے آ گیا۔نہ وہ اتنی جرات رکھتا تھا کہ پنڈت کو کہہ سکے کہ آپ نے گیہوں دیتے وقت سود کا ذکر نہیں کیا تھا۔ایک تو پنڈت کی یہ زیادتی کہ گیہوں دیتے وقت سود کا ذکر نہ کیا پھر شنکر کی منت سماجت پر بھی اس کو ترس نہ آیا۔

اس افسانے میں معاشرتی اور سماجی پہلوؤں کے ساتھ معاشی مسائل کو بھی تفصیلاً پیش کیا گیا ہے کہ کس طرح سے سود خوری اور جاگیر دارانہ نظام نے غریب لوگوں کا خون چوس رکھا ہے۔اصل میں سود اخلاقی طور پر انسان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔انسان سنگدل، خود غرض اور بخیل ہو جاتا ہے۔اصل میں حاجت مند بیچارہ اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر قرض لیتا ہے وہ جلد واپس کرنے کی پوزیشن میں نہیں آتا۔آئے روز کرنسی تبدیل ہوتی رہتی ہے وہاں محنت مزدوری کرنے والے کی محنت کا معاوضہ ہمیشہ کم ہوتا جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ کبھی بیاج نہیں اتار پاتا۔۔قرض لینے والا مزید مالی بوجھ کے تلے دب

جاتا ہے۔ سود کی وجہ سے امیر، امیر تر ہو جاتے ہیں اور غریب غریب تر۔ جہاں ایک طبقہ فائدہ اٹھا رہا ہوتا ہے۔ دوسرا طبقہ اقتصادی نقصانات برداشت کرتا ہے۔ طبقاتی کشمکش معاشرے میں جنم لیتی ہے۔ غریب اور مزدور طبقے کے حقوق کا استحصال ہوتا ہے۔

سودخوروں کی طرح جاگیر دار بھی بڑے عیش پرست اور خود غرض ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے پر اقتدار رکھنا چاہتے ہیں۔ معاشرے میں ایسے اقتدار کی بدولت مفلسی، محرومی، بے روزگاری جیسی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ چھوٹا اور مزدور طبقہ تو پس کر رہ جاتا ہے۔ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہندوستان کے غریب اور پسماندہ معاشرے میں مہاجن کے کردار کا ذکر سوا سیر گیہوں میں بہت اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ظلم و استحصال کی ایسی کہانی ہے جس میں معاشرے کی بے حسی اور خود غرضی سامنے آتی ہے۔ صاف نظر آتی ناانصافی اور ظلم کو معاشرے سے کوئی بھی نہ روک سکا اور غریب کسان شنکر پس کر رہ گیا۔ وہ استحصال کے شکنجے میں ایسا پھنستا ہے کہ زندگی بھر محنت اور خون تھوکتا ہے لیکن سوا سیر گیہوں کا بوجھ نہیں چکا سکتا۔ بچے کھانے پینے کو ترستے ہیں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے مگر نہ وہ قرض خود ادا کر سکا اور نہ ہی اپنی بیوی اور اولاد کو اس قرض سے نجات دلا سکا۔

پروفیسر قمر رئیس پریم چند کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> "پریم چند پہلے ادیب ہیں جنھوں نے ہندوستانی گاؤں کے کسانوں، کھیت، مزدور اور ہریجنوں اور انسانی وقار کو سمجھا۔ ان کے لیے ادب کے کشادہ دروازے کھولے، انھیں ہیرو بنا کر، ان کے دکھ سکھ کی کاتھا سنا کر اُردو کے افسانوی ادب کو نئی وسعتوں اور ایک نئے احساسِ جمال سے آشنا کیا۔"(4)

پریم چند نے کسانوں اور مزدوروں کے بارے میں معاشرے کی بہت اچھی حقیقت نگاری پیش کی۔ انھوں نے معاشرے کے عام آدمی کے مسائل کو سمجھا اور خوب صورت انداز میں عکاسی کی۔ افسانے میں شنکر کی غربت کا نقشہ ایک جگہ یوں پیش کیا گیا ہے:

> "میرے پاس اور ہے ہی کیا؟ ہم غریب آدمی ہیں۔ روز مزدوری کرتے ہیں اور روز پیٹ بھرتے ہیں۔ ہمارے پاس پیسہ کوڑی کہاں رکھا ہے۔"(5)

مزید اس افسانے میں سرمایہ دارانہ نظام کی بھی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ جہاں پر ذاتی منافع کے لیے اور ذاتی دولت و جائیداد اور پیداواری وسائل رکھنے میں ہر شخص مکمل طور پر آزاد ہے۔ حکومت کی طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ یہ وہی رویہ اس افسانے میں پنڈت (مہاجن) کا تھا۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے شنکر کو ظلم کا نشانہ بناتا ہے مگر اس کو روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

ادب میں افسانہ "سوا سیر گیہوں" جیسی تحریروں کو پڑھ کر یہ ہی نہیں سوچ لینا چاہیے کہ یہ بس ایک انسان کی کہانی تھی۔ اصل میں تو ایک انسان کی کہانی پیش کر کے معاشرے کے بہت سے افراد کا کردار پیش کیا جاتا ہے۔ مزید ہمیں ان کہانیوں سے سبق سیکھنا چاہیے کہ معاشرے میں امن و خوشحالی کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف ہندوستان کے پسماندہ معاشرے کی کہانی نہیں تھی۔ آج بھی لوگ سود خوری، جاگیر دارانہ نظام اور سرمایہ داری جیسے نظاموں کے ہاتھوں پس رہے ہیں۔ اگر معاشرے میں دولت کی برابر تقسیم اور غریبوں کے حقوق کے استحصال کی روک تھام چاہتے ہیں تو ہمیں ایسے نظاموں پر قابو پانا ہو گا۔ تاکہ معاشرے امن و سکون کا گہوارہ بن سکیں۔ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر نہ رہ جائے اور معاشرہ غریب اور مجبور لوگوں کے حقوق کا استحصال نہ کر سکے۔

حوالہ جات

1۔ پریم چند، سوا سیر گیہوں، تالیف منو بھنڈاری، نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی، 2001، ص:6

2۔ پریم چند کے سو افسانے، پریم گوپال متل، ایچ اسٹین آفسیٹ، دہلی، 1990ء، ص:15

3۔ سوا سیر گیہوں، تالیف منّو بھنڈاری، نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی، 2001ء، ص:9

4۔ قمر رئیس، پریم چند فکر و فن، پبلی کیشنز ڈویژن، دہلی، 1980ء، ص:87،88

5۔ پریم چند، سوا سیر گیہوں، تالیف منو بھنڈاری، نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی، 2001ء، ص:20